راجہ کاشف
پی ایچ ڈی ریسرچ اسکالر، جامعہ اردو

احمد ندیم قاسمی کے افسانے "گنڈاسا" سے نئے فلمی عہد کا جنم

AHMAD NADEEM QASMI'S SHORT STORY "GANDASA" LEADS TO A NEW FILM ERA

Abstract

This research concludes that the success of Maula Jutt set new trends for Punjabi films and also encouraged film-making in other regional languages. The credit for this must go to Ahmed Nadeem Qasmi's ground breaking short story "Gandasa". Ahmed Nadeem Qasmi should undoubtedly be considered a pioneering story writer since the film that was based on his short story, opened a new chapter in film industry though perfect depiction of Pakistan's rural culture. No writer knows the impact that his narrations will create. Sure enough Qasmi sb also didn't know that his short story would lead to a new era in films where Maula Jutt will be admired and watched by film enthusiasts across Pakistan including in Karachi. This demonstrates that those who love the cultural diversity of the country, would watch films that promote the rural culture, although they may not have much knowledge of the regional languages. It is heartening that the film industry is being revived, but we should also focus on producing movies in regional languages. This will not just promote the local languages, but will also create harmony through bringing people close from different regions of the country and play a pivotal role to bring back the glory days of Pakistan's film industry.

پاکستان میں فلموں نے خاصے اتار چڑھاؤ کا سامنا کیا ہے۔ قومی زبان کی فلمیں مقامی زبانوں میں بننے والی فلموں پر غالب رہی ہیں۔ اس لئے مقامی زبانوں پر فلمیں بننے کا رجحان کم رہا ہے۔ قومی زبان اردو میں بننے والی فلموں کے چاکلیٹی ہیرو وحید مراد کے عروج کا دور ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۵ء تک ہے۔(۱)

۱۹۶۶ء میں وحید مراد کی فلم ارمان سپر ہٹ ہوئی تو ان کے لئے کامیابیوں کی لائن لگ گئی لیکن وحید

مراد کے عروج کے دور میں ہی قومی زبان سے مقامی زبانوں میں فلم سازی کا رجحان پیدا ہو گیا تھا۔ حتی کہ وحید مراد نے ۱۹۷۱ء میں پنجابی فلم مستانہ ماہی میں کام کیا اور یہ فلم وحید مراد کے اردو لب و لہجے کے ساتھ سپر ہٹ بھی ہوئی۔ اس فلم کا گیت "سیونی میرا ماہی میرے بھاگ جگاون آگیا" ایسا سپر ہٹ ہوا کہ اسے سدا بہار گیت کا درجہ حاصل ہو گیا۔(۲) یہاں سے پنجابی فلم سازی کا رجحان بڑھنا شروع ہوا

۱۹۷۱ء میں پنجابی فلم مستانہ ماہی کی کامیابی کے بعد ۱۹۷۲ء میں پنجابی فلمیں اچھا کاروبار کرنے لگیں۔ ایسے ہیں سلطان راہی کو پنجابی فلم بشیرا نے سپر اسٹار بنا دیا۔(۳) اور وہ فلم انڈسٹری میں اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ بشیرا گو کہ ایک ڈاکو کی زندگی پر بننے والی فلم تھی۔ مگر اس سے سلطان راہی کو بی کلاس کے ایکٹر سے آگے بڑھ کر اپنا نام بنانے کا نادر موقع ملا۔

فلم بشیرا کے ڈائریکٹر اسلم ڈار کے مطابق: "میں اداکار ساون کو مرکزی کردار کے لئے کاسٹ کرنا چاہتا تھا مگر اس نے ستر ہزار روپے کی ڈیمانڈ کی۔ اس کی اتنی زیادہ ڈیمانڈ کے بعد مجھے سلطان راہی کو فلم میں کاسٹ کرنا پڑا وہ بھی صرف سات ہزار روپے میں" (۴)

اداکار ساون اپنے دور میں نمایاں مقام رکھتے تھے مگر فلم کو ویسے بھی بند مٹھی کا کھیل کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بند مٹھی جب کھلتی ہے تو کیا تماشا ہوتا ہے یہ کوئی نہیں جانتا۔ ایسا ہی کچھ سلطان راہی کے ساتھ ہوا۔ ہزار مخالفت کے باوجود اسلم ڈار نے سلطان راہی کو کاسٹ کیا ہے اور ان کا کھیلا ہوا یہ جوا چل گیا۔ یہیں سے سلطان راہی فلم سازوں کی نظر میں آ گئے۔

پاکستانی رائٹرز کی کہانیوں پر فلم سازی

نسیم حجازی، سعادت حسن منٹو،، سلمی کنول اور رضیہ بٹ کی تحریروں سے استفادہ کرتے ہوئے کئی پاکستانی فلمیں بنیں۔ مصنف وہدایت کار ریاض شاہد نے نسیم حجازی کے ناول شاہین سے ماخوذ فلم غرناطہ بنائی اور وہ ریاض شاہد کی بہترین فلموں میں سے ایک ثابت ہوئی۔ ہدیات کار اقبال شہزاد نے سعادت حسن منٹو کے افسانے جھمکے کو فلم بدنام کی صورت میں پیش کیا۔ اسی طرح ہدایات کار اسلم ایرانی نے منٹو کے ایک افسانے لائسنس سے ماخوذ فلم لائسنس بنائی جس کی کاسٹ میں سلطان راہی اور مصطفی قریشی شامل تھے۔ رضیہ سلطانہ کے ناول صاعقہ پر ہدایت کار لیئق اختر نے فلم صاعقہ بنائی۔(۵)

گویا ہم کہہ سکتے ہیں کے پاکستانی فلم ساز پاکستانی رائٹرز کی نمایاں تحاریر کو اپنی فلموں کے قالب میں ڈھالتے ہوئے ہچکچاتے نہیں ہیں۔ پاکستانی فلموں کے حوالے سے ایک منفی فضا ہوا ایک زمانے سے بنی چلی آرہی ہے کہ یہاں بڑی سطحی فلمیں بنتی ہیں یا ادب سے فلمی دنیا سے وابستہ لوگوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اتنے بڑے ناموں کے تحاریر سے بننے والی پاکستانی فلمیں ان تمام منفی خیالات کی نفی کرتی نظر آتی ہیں۔

احمد ندیم قاسمی کا افسانہ "گنڈاسا"

احمد ندیم قاسمی کو خصوصی طور پر پنجاب کی دیہاتی زندگی کا عکاس افسانہ نگار کہا جاتا ہے۔ اردو میں پنجاب کے دیہات کے پس منظر میں اس سے خوبصورت کہانیاں اور کسی نے نہیں لکھیں۔ ان کا تخیل پنجاب کی فضاؤں میں چپے چپے سے روشناس ہے۔ پنجاب کی رومانی فضاء اور وہاں کے لوگوں کی معصومیت و زندہ دلی، جرات و جفاکشی اور خدمت و ایثار کی تصویریں ان کے افسانوں میں آخر لازوال ہو گئی ہیں (٦)

یوں تو احمد ندیم قاسمی کے دیگر افسانے زبان زد وعام ہیں مگر ان کے جس افسانے نے ایک فلمی عہد تخلیق کیا وہ کوئی اور نہیں صرف "گنڈاسا" ہے۔ گنڈاسا کی کہانی مولا نامی ایک ایسے پہلوان کے کی کہانی ہے جو فن پہلوانی میں تاک ہے اور اس کے جوڑ کا کوئی دوسرا پہلوان علاقے میں موجود نہیں۔ مولا کا دشمن رنگا جب مولا کے باپ کو قتل کر دیتا ہے تو مولا پہلوانی کو چھوڑ کر بدلہ لینے نکل پڑتا ہے۔ وہ رنگا کو قتل کر دیتا ہے۔ وہ ایک ایک کر کے رنگے کے خاندان کے لوگوں کو قتل کرتا ہے اور پکڑ میں بھی نہیں آتا۔ پھر اسے رنگے کے چھوٹے بیٹے کی منگیتر راجو سے محبت ہو جاتی ہے۔ جس سے مولا کا گنڈاسا کند ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب رنگے کا بیٹا مولا سے جھگڑا کرتا ہے تو مولا کا گنڈاسا حرکت میں نہیں آتا اور وہ اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر رنگے کے بیٹے کو قتل کرنے سے باز رہتا ہے۔

فلم وحشی جٹ

فلم سازوں اور فلمی مصنفوں کی نظریں بشیرا کی طرز پر کچھ تلاش کر رہی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب مقامی دیہی ثقافت کے رنگوں کو اپنی تحاریر میں ڈھالنے والے احمد ندیم قاسمی کے افسانے "گنڈاسا" پر فلمی رائٹر ناصر ادیب کی نظر جا پڑی۔ چونکہ پاکستانی کی دیہی ثقافت پر ادب تخلیق کرنے والوں میں احمد ندیم قاسمی کا نام سرفہرست ہے۔ اس لئے ان کے معروف افسانے "گنڈاسا" کو سامنے رکھتے ہوئے ناصر ادیب نے فلم "وحشی جٹ" تخلیق کی۔

سلطان راہی کے حوالے سے بات جو اہم ہے وہ ان کا غیر پنجابی ہو کر پنجابی فلموں کا بے تاج بادشاہ بن جانا ہے۔ سلطان راہی کا تعلق مظفر نگر، ڈسٹرکٹ بجنور، یوپی، بھارت سے تھا اور ان کے خاندان نے وہاں سے نقل مکانی کر کے راولپنڈی سکونت اختیار کی تھی۔ اسی طرح مولا جٹ کے ولن مصطفی قریشی بھی پنجابی نہیں تھے بلکہ سندھی تھے اور یہی خاص بات ہے۔ پاکستان کی تمام مقامی زبانیں اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہیں اور انہیں کوئی بھی بول سکتا ہے اگر وہ چاہے تو۔

"گنڈاسا" سے ماخوذ مولا جٹ سے نئے فلمی عہد کا جنم

١١ فروری ١٩٧٩ء کو پاکستانی فلمی تاریخ کی کامیاب ترین فلم مولا جٹ ریلیز ہوئی۔ یہ فلم لاہور کے

گلستان سینما میں مسلسل ایک سو تیس ہفتے چلتی رہی اور اپنی اولین نمائش کے دوران مجموعی طور پر تین سو دس ہفتوں تک چلی۔ پابندی کا شکار نہ ہوتی تو یہ فلم بھارتی فلم "شعلے" کا پانچ سال مسلسل چلنے کا ریکارڈ بھی توڑ دیتی۔(۷) ۶لاکھ روپے سے تیار ہونے والی فلم مولا جٹ نے نے ۶ کروڑ سے زیادہ کا منافع حاصل کیا۔ اس نے قیصر سینما پر ڈائمنڈ جوبلی کی اور کراچی کے گوڈین سینما پر دوسری مرتبہ چلنے پر ڈائمنڈ جوبلی کی۔(۸)

مولا جٹ نے نہ صرف پنجاب بلکہ سندھ میں خصوصاً کراچی میں بھی بزنس کیا۔ جس سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ فلم پورے ملک میں یکساں مقبول ہوئی اور بلا تخصیص زبان اسے ہر زبان بولنے والے فرد نے ذوق و شوق سے دیکھا۔

فلم مولا جٹ کے مشہور ڈائیلاگ:

نوری نت (مصطفی قریشی): نواں آیا ایں سونڑیاں

ترجمہ: نئے آئے ہو،

مولا (سلطان راہی): مولے نوں مولا نہ مارے تے مولا مرنی سکدا

ترجمہ: مولا کو مولا نہ مارے تو مولا نے مر نہیں سکتا

فلم مولا جٹ کا آخری ڈائیلاگ

مولا (سلطان راہی) ترجمہ: انسانیت انتقام نہیں انصاف چاہتی ہے۔ انصاف ہوتا رہا تو کوئی مولا کھڑاک نہیں کرے گا۔(۹)

ان مشہور ڈائیلاگ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ ایک مثبت پیغام کے ساتھ بنی ہوئی فلم تھی۔ چونکہ اس میں انتقام کا عنصر موجود تھا تو اسے کچھ عناصر کی جانب سے منفی سمجھا گیا جبکہ اس میں واضح پیغام موجود تھا کہ انسانیت انتقام نہیں انصاف چاہتی ہے۔ انصاف ملے گا تو کوئی مولا گنڈاسا نہیں اٹھائے گا۔ یہی ایک منصف معاشرے کی علامت ہے۔۔

سلطان راہی کی دو سو سے زائد فلموں کے مصنف ناصر ادیب کے مطابق "مولا جٹ پاکستان کی پہلی فلم ہے جس کے ڈائیلاگ کے کیسٹ سیل ہوئیں۔ یہ وہ فلم ہے جس نے ہندوستان کو چونکا دیا۔ اس فلم کو سامنے رکھتے ہوئے اداکار دھرمندر نے اسے ۴ مرتبہ بنایا۔ جس میں سے تین مرتبہ اردو میں "فلم جینے نہیں دوں گا"، "آگ لگادوں گا" وغیرہ کے نام سے اور ایک مرتبہ پنجابی میں "پتر جٹاں دے" کے نام سے بنایا۔ اسی طرح اداکار انیل کپور نے بھی مولا جٹ کے طرز پر ایک بار فلم بنائی۔ باقی لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ فلم احمد ندیم قاسمی کے افسانے "گنڈاسا" سے ماخوذ ہے مگر ایسا نہیں ہے۔ فلم کے ہیرو کا نام مولا ضرور ہے۔ اسی طرح گنڈاسا تو پنجاب میں عام استعمال ہوتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کا ہیرو مولا تو روتا ہے جبکہ میرا ہیرو تو بہادر ہے وہ نہیں روتا۔ اس سب کے باوجود لوگ اسے احمد ندیم قاسمی کے افسانے سے متعلق سمجھتے

ہیں جو بالکل غلط بات ہے۔"(۱۰)

ناصر ادیب خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ مولا میرا ہیرو ہے اور گنڈاسا اس کا ہتھیار ہے۔ وہ فلم کی مقبولیت کا کریڈٹ کسی بھی طرح احمد ندیم قاسمی کو دینے کو تیار نہیں ہیں۔ فلم کے ڈائیلاگ بلاشبہ ان کے قلم کا اعجاز ہے مگر فلم کی بنیاد تو احمد ندیم قاسمی کے افسانے "گنڈاسا" پر ہی ہے جس نے ایک فلمی عہد کو جنم دیا ہے۔ اگر کسی غیر معروف رائٹر کی تحریر سے وہ فلم کی کہانی لے کر فلم لکھتے تو بات چھپ جاتی مگر احمد ندیم قاسمی تو رجحان ساز افسانہ نگار ہیں۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ اعتراف کیا جائے کہ قاسمی صاحب کے افسانے نے ایک عہد کو جنم دیا۔

مولا جٹ میں نوری نت کا کردار ادا کرنے والے اداکار مصطفٰے قریشی کے مطابق "احمد ندیم قاسمی برصغیر کے سب سے بڑے افسانہ نگار تھے۔ ان کے افسانے گنڈاسا پر فلم مولا جٹ بنی جو لاہور کے شبستان سینما میں چار سال چلی۔ پنجاب میں گنڈاسا بہادری، غیرت اور خودداری کی علامت ہے۔ ہر جگہ ایک ثقافتی ہتھیار ضرور ہے۔ جیسے سندھ میں کلہاڑی ہے، ایسے ہی پنجاب میں گنڈاسا ہے۔ جب ظلم ہوتا ہے تو مظلوم گنڈاسا اٹھاتا ہے۔ ستر اور اسی کی دہائی میں مقامی زبانیں بننے کا رجحان بڑھا۔ ویسے بھی مقامی زبانوں کے لئے فلم ضروری ہے۔ اس سے ان کو فروغ ملتا ہے اور پنجابی، سندھی، بلوچی، پشتو، سرائیکی، ہندکو اور دیگر سب زبانیں ہماری قومی زبانیں ہی ہیں۔ ان میں اب بھی فلمیں بننی چاہئیں ہیں۔"(۱۱)

احمد ندیم قاسمی کو اس بات کا کریڈٹ جاتا ہے کہ ان کے ایک افسانے پر پاکستانی فلموں کے ایک عہد نے جنم لیا۔ سعادت حسن منٹو پر فلم بن سکتی ہے مگر احمد ندیم قاسمی نے تو ایک جہاں تخلیق کر دیا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ان کے افسانوی کردار پر کہیں بھی اتنی تفصیل سے روشنی نہیں ڈالی گئی۔ ان کے لئے پاکستان کے رجحان ساز افسانہ نگار ہونے کا اعزاز ہونا چاہیے تھا۔

معروف ادیب، نقاد اور شاعر سحر انصاری کے مطابق "احمد ندیم قاسمی عہد ساز افسانہ نگار ہیں۔ ان کی کہانیوں سے رجحان میں تبدیلی ہوئی۔ اس لحاظ سے ہم ان کو رجحان ساز افسانہ نگار کہہ سکتے ہیں۔ گنڈاسا کی بنیاد پر فلم مولا جٹ بنائی گئی جس کے بعد پنجاب کے کلچر اور ظالم و مظلوم کی لڑائی کے موضوع کو دوسرے فلم سازوں نے بھی اختیار کیا اور اس سے ملتی جلتی فلمیں بنائیں۔"(۱۲)

عجیب اتفاق ہے کہ افسانہ "گنڈاسا" گجرانوالہ کے گرد و نواع میں پیدا ہونے والے مولا کی کہانی ہے اور اس کہانی پر بننے والی فلم کے مرکزی کردار مولا یعنی سلطان راہی کا قتل بھی گجرانوالہ کے پاس جی ٹی روڈ پر ہی ہوا۔ ان کی زندگی کی شام بھی افسانوی انداز سے اسی مقام پر ہوئی جہاں مولا کی کہانی نے جنم لیا تھا۔ کیا کہیں کہ افسانہ سے جنم لینے والے مولا نے حقیقت میں افسانوی انداز سے دم توڑا۔

ستر کے عشرے سے مقامی زبانوں میں فلم سازی کا رجحان

ستر کے عشرے کو ہم فلم انڈسٹری کے اچھے دور میں شمار کر سکتے ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں بدر منیر اور یاسمین خان کی پہلی پشتو فلم یوسف خان شیر بانو اور پہلی گجراتی فلم ماں تے ماں اور پہلی سرائیکی فلم ریلیز ہوئیں (۱۳) گویا مقامی زبانوں کی اہمیت وقت کے ساتھ سامنے آرہی تھی۔ جو بدلتے وقت کا تقاضا بھی تھا۔ بدر منیر وحید مراد کے چپراسی اور بعد میں ڈرائیور کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ وحید مراد نے انہیں فلموں میں متعارف کروایا اور۔ آخر کار وہ پشتو فلموں کے سلطان راہی بن گئے۔

مقامی زبانوں میں سندھی وہ زبان ہے جس کی پہلی فلم "عمر ماروی" ۱۲ مارچ ۱۹۵۶ء میں بن چکی تھی مگر ستر اور اسی کے عشرے میں سندھی فلم سازی کا رجحان زیادہ نظر آتا ہے۔ اسی طرح پہلی انگریزی فلم ۱۹۷۶ء میں اور پہلی ہند کو فلم ۱۹۸۰ء میں بنی۔ (۱۴) اس کی وجہ مولا جٹ کی تاریخ ساز کامیابی کو ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ جس نے مقامی زبانوں میں فلم سازی کا رجحان پیدا کیا اور اس حوصلہ افزائی سے ستر اور اسی کے عشرے میں نہ صرف مقامی زبان بلکہ زبان فرنگی انگریزی زبان میں بھی فلم سازی ہوئی۔

پاکستان میں فلم سازی کا جائزہ لیا جائے تو اب تک اردو کی ۱۶۶۵، پنجابی ۱۴۲۲، پشتو ۷۸۵، سندھی ۴۷، بنگالی ۱۲۷، سرائیکی ۱۳، گجراتی ۲، ہند کو ایک اور انگریزی ۳ فلمیں بن چکی ہیں۔ (۱۵) مقامی زبانیں مقامی ثقافت کے اظہار کا ذریعہ ہیں اور ان میں فلم سازی نے مقامی ثقافت کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس میں ڈبل ورژن کی فلمیں بھی اپنی جگہ اہمیت کی حامل رہی ہیں۔ اب بڑے شہروں میں نئے انداز کے جدید سینما گھر بن تو رہے ہیں مگر دیہات اور چھوٹے شہروں میں سینما گھر نہ ہونے کی وجہ سے مقامی زبانوں کی فلم سازی کم ہوتی جا رہی ہیں۔

فلمی دنیا سے وابستہ افراد کی نظر میں افسانہ گنڈاسا اور فلم مولا جٹ:

سپر ہٹ فلم چوڑیاں کے ہدایات کار سید نور کے مطابق "ناصر ادیب نے ادب سے کہانی لے کر اچھی روایت قائم کی۔ افسانہ "گنڈاسا" کی بنیاد ہماری ثقافت سے جڑی ہے۔ احمد ندیم قاسمی ایک مکمل رائٹر ہیں اور ہمیں ان پر فخر ہے۔ مولا جٹ کے بعد مقامی زبانوں کا ٹرینڈ آیا اور میرے خیال میں مقامی زبانوں میں فلمیں بننی چاہئیں۔ لوگوں کی خواہش ہے کہ ان کی زبانوں میں فلمیں بنیں۔ مولا جٹ اتنی بڑی فلم ہے کہ اس کو سامنے رکھتے ہوئے لوگ پھر سے اسے بنانا چاہتے ہیں تو یہ اچھی بات ہے۔ بلال لاشاری کی طرح نئے فلم سازوں کو تجربے کرنے چاہئیں۔" (۱۶)

اداکارہ میرا کے مطابق "مولا جٹ جیسی فلمیں اب بن ہی نہیں سکتیں۔ یہ تو شاہکار فلم تھی۔ اسے پاکستان کا ساتواں عجوبہ کہہ سکتے ہیں۔ بھارتی فلم شعلے اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ مگر ہم نے

اس کی اہمیت کو سمجھا ہی نہیں ہے۔"(۱۷)

فلمی دنیا سے وابستہ افراد کی نظر میں مولا جٹ جیسی فلم اب بن ہی نہیں سکتی لیکن کوئی بنانا چاہے تو اچھی بات ہے اور فلمی دنیا سے وابستہ افراد کی نظر میں احمد ندیم قاسمی کے افسانے کی بنیاد ہماری ثقافت سے جڑی ہے۔اسی وجہ سے فلم مولا جٹ کو اتنی پذیرائی ملی ہے۔

صحافیوں کی نظر میں افسانہ گنڈاسا اور فلم مولاجٹ:

جنگ گروپ کے روزنامہ عوام، کراچی سے وابستہ سینئر شوبز صحافی اطہر جاوید صوفی کے مطابق "احمد ندیم قاسمی کے افسانے پر بننے والی فلم مولا جٹ نے تو پاکستان میں فلمی دنیا کا ٹرینڈ ہی تبدیل کر دیا۔یہ ایک ٹرینڈ سیٹر فلم ہے۔پاکستان کی سب سے بڑی فلم اس کو کہہ سکتے ہیں۔مولا جٹ نے ۴ کروڑ روپے سے زیادہ کا بزنس کیا وہ بھی اس دور میں جب نان اے سی سینما کا ٹکٹ ۲ روپے کا ہوتا تھا اور اے سی سینما کا ٹکٹ ۶۵. ۳روپے ہوتا تھا۔اس دور کے لحاظ سے تو یہ بہت بڑی رقم بنتی ہے۔پاکستانی فلم چوڑیاں نے بھی بڑا بزنس کیا مگر اس وقت ٹکٹ ۵۰ روپے اور ۱۰۰ روپے تھا۔موجودہ دور کے حساب سے دیکھیں تو فلم کا ٹکٹ ۵۰۰ سے ۷۰۰ روپے تک جا چکا ہے تو اب کوئی فلم کروڑ بھی کرے تو بھی مولا جٹ کے مقابلے میں وہ پھر بھی کچھ نہیں ہو گی۔اس دور میں تو جو فلم ۲۵ ہفتے سینما پر چلتی تھی اسے سلور جوبلی، ۵۰ ہفتے گولڈن جوبلی، ۷۵ ہفتے پلاٹینیم جوبلی اور ۱۰۰ ہفتے ڈائنمڈ جوبلی کہتے تھے۔اس لحاظ سے بھی مولا جٹ نے ریکارڈ قائم کیے۔ہم مولا جٹ کو پاکستان کی شعلے کہہ سکتے ہیں۔"(۱۸)

روزنامہ جنگ، کراچی سے وابستہ سینئر شوبز صحافی اختر علی اختر کے مطابق "احمد ندیم قاسمی کے افسانے "گنڈاسا" پر ناصر ادیب نے فلم مولا جٹ بنائی۔مولا جٹ غریب کی آواز تھی۔مولا محروم لوگوں کی نمائندگی کرتا تھا۔گنڈاسا سے ظلم کے خلاف تلوار کا کام لیا گیا۔گنڈاسا انصاف کی علامت تھا۔اسے منفی لیا جانا غلط ہے کیونکہ یہ احمد ندیم قاسمی کے افسانے "گنڈاسا کا پیغام نہیں تھا اور نہ ہی ناصر ادیب نے اسے غلط انداز میں پیش کیا بلکہ یہ تو انصاف کا تقاضا تھا یہی فلم کا پیغام تھا۔ستر اور اسی کے عشرے میں مولا جٹ کی کامیابی کے بعد مقامی زبان میں فلمیں بننے کا رجحان پیدا ہوا میں تو انہیں مقامی نہیں بلکہ قومی زبانیں کہوں گا۔ان میں فلمیں بنیں اور کامیاب ہوتی رہیں۔"(۱۹)

روزنامہ جہان پاکستان، کراچی سے وابستہ شوبز صحافی عمران شیخ کے مطابق "مولا جٹ نے پوری انڈسٹری کے ٹرینڈ کو بدل دیا۔مگر یہ تبدیلی اتنی زیادہ وقت چلی کہ بعد میں اس میں بھی یکسانیت ہو گئی۔اس فلم سے لوگوں کو حوصلہ ملا کہ دیگر زبانوں میں بھی فلمیں بن سکتی ہیں اور کہانی اچھی ہو تو بزنس بھی کر سکتی ہیں۔لیکن یہ سلسلے ستر سے اسی کے عشرے تک ہی چلا کیونکہ اس کے بعد ڈش آئی تو دیہاتی لوگ

چائے کے ہوٹلوں میں پانچ روپے کی چائے کے ساتھ ایک بھارتی فلم بھی دیکھ لیتے تھے۔اس سے مقامی فلموں کی ویلیو کھو گئی۔ مولا جٹ کی کامیابی کے حوالے سے احمد ندیم قاسمی اتنا بڑا نام ہیں کہ نئے لکھنے والوں کو ان سے سیکھنا چاہیئے اور انہیں پڑھنا چاہیئے۔ باقی ستر اور اسی کے عشرے کی فلمیں موجودہ دور کی فلموں سے ہزار درجے بہتر تھیں کہ کم از کم سینما اسکرین پر کچھ وقت تو گزارتی ہیں اب کی فلمیں تو آتی ہیں اور فوراً ہی اتر جاتی ہیں۔"(۲۰)

تین سو کروڑ کمانے والی بھارتی فلم بجرنگی بھائی جان سے شہرت پانے والے چینل نائنٹی ٹو سے وابستہ پاکستانی صحافی چاند نواب جن کی پاکستانی فلم جھول بھی عید پر ریلیز ہونے والی ہے، احمد ندیم قاسمی کے افسانے "گنڈاسا" پر بننے والی آل ٹائم سپر ہٹ فلم مولا جٹ کے حوالے سے کہتے ہیں "میں نے وحشی جٹ اور مولا جٹ اپنے زمانہ طالب علمی میں دیکھی۔احمد ندیم قاسمی نے اپنے افسانوں میں دیہات کی ثقافت اجاگر کی ہے۔ مولا جٹ بننے سے سندھی اور پشتو فلمیں بھی بننے لگیں۔ لیکن ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ مولا جٹ کی طرح تو اپنی جگہ نہ بنا سکیں لیکن قاسمی صاحب کے افسانے نے فلمی دنیا کو ہی تبدیل کر دیا اور مقامی زبانوں کی فلموں نے مقامی ثقافت کو نمایاں کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔ پنجابی فلمیں ستر اور اسی کی دہائی میں سب دیکھتے تھے۔ مجھے ہی دیکھ لیں میری مادری زبان پنجابی نہیں ہے مگر میں نے بھی شوق سے پنجابی فلمیں دیکھیں کیونکہ ہمیں اپنا علاقائی کلچر کو پروموٹ کرنا چاہیئے۔ میں پنجابی، سندھی، بلوچی اور ہندکو بھی سمجھتا ہوں کیونکہ یہ ہماری اپنی زبانیں ہیں۔ ہماری فلمیں اتنی باکمال ہوتی تھیں کہ ستر اور اسی کی دہائی میں بھارت میں بھی شوق سے دیکھی جاتی تھیں اور ان کی چربہ سازی بھی ہوئی۔"(۲۲)

پاکستانی شوبز صحافیوں کی نظر میں بھی مولا جٹ ایک تاریخ ساز فلم ہے اور اس نے مقامی زبانوں میں فلم سازی کے فروغ میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے اپنے افسانے گنڈاسا میں ظالم اور مظلوم کا فلسفہ پیش کیا ہے جسے خوبصورتی سے مولا جٹ کی صورت میں پردہ اسکرین پر پیش کیا گیا ہے۔ ستر کے عشرے میں اتنی سپر ہٹ فلم بنانا یقیناً اہمیت کا حامل ہے۔

حاصل بحث:

اس تحقیقی مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پنجابی فلموں کے رجحان سے ہی پاکستان کی دیگر مقامی زبانوں میں فلم سازی کو فروغ ملا۔ اس میں احمد ندیم قاسمی کے افسانے "گنڈاسا" پر بننے والے سپر ہٹ فلم مولا جٹ کا بنیادی کردار ہے۔ احمد ندیم قاسمی کو رجحان ساز افسانہ نگار بلاشبہ کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان کے افسانے کی بنیاد پر بننے والی فلم نے پاکستان کی دیہی ثقافت کی ترجمانی کرتے ہوئے ایک تاریخ رقم کی۔ ایک لکھاری کو خود نہیں پتا ہوتا کہ اس کی تحریر کا اثر کتنا ہوگا۔ اسی طرح مولا جٹ کے بننے کے بعد

پاکستان میں ایک فلمی عہد کا جنم ہوا۔ عجب اتفاق بھی ہے کہ مولا کی کہانی نے گجرانوالہ کے گرد ونواع میں جنم لیا تو وہیں مولا کے کردار سلطان راہی کی زندگی کی لہو میں ڈوبی شام ہوئی۔ افسوس کی بات ہے کہ مولا جٹ کو بھارتی فلم شعلے کی طرح پذیرائی نہیں ملی۔

پاکستان میں مولا جٹ کو کراچی میں بھی مثالی پذیرائی ملی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مقامی زبانوں میں بننے والی دیہی ثقافت کو اجاگر کرنے والی فلمیں وہ طبقہ بھی خوشی سے دیکھتا ہے جسے مقامی زبان نہیں آتی مگر اسے مقامی ثقافت سے پیار ہوتا ہے۔ ہمارے سامنے سینئر صحافی چاند نواب کی مثال ہے جن کی مادری زبان پنجابی نہیں تھی مگر انہوں نے بھی فلم دیکھی اور اسے پسند بھی کیا۔ مولا جٹ کے اہم کردار نوری نت یعنی مصطفٰی قریشی کے مطابق تو ہماری ساری مقامی زبانیں ہماری قومی زبانیں ہیں۔ قومی زبان کی فلموں کے ساتھ ساتھ مقامی زبانوں کے فروغ کے لئے مقامی زبانوں میں فلم سازی کو پھر سے شروع کرنا ہوگا جب ہی محبتیں بڑھیں گی۔ اس طرح سارا ملک شیر وشکر ہو سکے گا۔ پاکستانی کی فلمی صنعت کو دوبارہ سے عروج ملے گا۔ جبکہ ہماری ثقافت بھی بھرپور پروان چڑھے گی۔

حوالہ جات:

۱۔ علی ارشد، ایڈوانس فلم پروڈکشن، ایورنیو بک پیلس، اردو بازار، لاہور، ص ۱۹۳
۲۔ علی ارشد، ایڈوانس فلم پروڈکشن، ایورنیو بک پیلس، اردو بازار، لاہور، ص ۱۹۳
۳۔ خبر، نوائے وقت، اشاعت ۹ جنوری ۲۰۱۵ء، اخذ کردہ ۶ فروری ۲۰۱۷ء
۴۔ اقبال مظہر، سلطان راہی، فلم ڈیٹابیس، اخذ کردہ ۷ انومبر ۲۰۱۵ء
http://mazhar.dk/film/actors/SultanRahi.php
۵۔ سینما گھروں کو آباد رکھنے والی تاریخی اور موضوعاتی فلموں کی مانگ آج بھی برقرار، روزنامہ دنیا، اشاعت ۱۵ اپریل ۲۰۱۳ء، اخذ کردہ ۹ فروری ۲۰۱۷ء
۶۔ خان، وہاب اعجاز، احمد ندیم قاسمی کی افسانہ نگاری، اردو ویب، اشاعت ۹ مئی ۲۰۰۶ء، اخذ کردہ ۸ فروری ۲۰۱۷ء
۷۔ علی ارشد، ایڈوانس فلم پروڈکشن، ایورنیو بک پیلس، اردو بازار، لاہور، ص ۳۸،۳۷
۸۔ سلطان راہی، مظہر پی کے ڈاٹ بلاگ اسپاٹ، اخذ کردہ ۶ فروری ۲۰۱۷ء
mazharpk.blogspot.com/2014/01/sultan-rahi.html
۹۔ مولا جٹ، ڈائریکٹر یونس ملک، ۱۹۷۹ئ، فلم، اخذ کردہ ۶ فروری ۲۰۱۷ء
http://www.dailymotion.com/video/x3v4ora
۱۰۔ ناصر ادیب، مصنف، ٹیلیفونک انٹرویو، ۱۵ فروری ۲۰۱۷ء
۱۱۔ مصطفٰی قریشی، اداکار، ٹیلیفونک انٹرویو، ۱۵ فروری ۲۰۱۷ء
۱۲۔ سحر انصاری، ذاتی انٹرویو، بمقام آرٹس کونسل، کراچی، ۳۰ دسمبر ۲۰۱۶ء
۱۳۔ Film News/History from the 1970 retrieved on 6 February, 2017

http://pakfilms.net/movies/list.php?gid=1970%20reg=1970
۱۴۔ موشن پیکچر آرکائیو آف پاکستان، پاک فلم ڈیٹابیس، اخذ کردہ ۶ فروری ۲۰۱۷ء
http://www.mpaop.org/mpaop/pak-film-database/
۱۵۔ موشن پیکچر آرکائیو آف پاکستان، پاک فلم ڈیٹابیس، اخذ کردہ ۶ فروری ۲۰۱۷ء
http://www.mpaop.org/mpaop/pak-film-database/
۱۶۔ سید نور، فلم ہدایت کار، ٹیلیفونک انٹرویو، ۱۶ فروری ۲۰۱۷ء
۱۷۔ میرا، اداکارہ، ٹیلیفونک انٹرویو، ۱۴ فروری ۲۰۱۷ء
۱۸۔ اطہر جاوید صوفی، سینئر صحافی جنگ گروپ روزنامہ عوام، ٹیلیفونک انٹرویو، ۱۴ فروری ۲۰۱۷ء
۱۹۔ اختر علی اختر، سینئر صحافی، روزنامہ جنگ، ٹیلیفونک انٹرویو، ۱۶ فروری ۲۰۱۷ء
۲۰۔ عمران شیخ، صحافی روزنامہ جہان پاکستان، ٹیلیفونک انٹرویو، ۱۴ فروری ۲۰۱۷ء
۲۱۔ چاند نواب، اداکار و سینئر صحافی چینل ۹۲، ٹیلیفونک انٹرویو، ۱۴ فروری ۲۰۱۷ء